ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 437

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: اسلامیات (اختیاری) (437) • سطح: بی اے / ایسوسی ایٹ ڈگری

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: بی اے 40، ایسوسی ایٹ ڈگری 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں اور جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں، کیونکہ امتحانی مشقوں میں ہو بہو نقل مناسب نہیں ہوتی۔

سوال نمبر 1: تین جلیل القدر انبیاء کی خصوصی صفات (20 نمبر)

سوال نمبر 1: تین جلیل القدر انبیاء کی بعض خصوصی صفات بیان کریں۔

تعارف

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے ہر دور اور ہر قوم میں انبیاء ورسل مبعوث فرمائے۔ تمام انبیاء ایمان، صداقت، امانت اور عصمت جیسی مشترکہ صفات میں شریک ہیں، تاہم اللہ نے ہر نبی کو بعض ایسی خصوصی صفات اور معجزات سے نوازا جو ان کے دور اور قوم کی ضرورت کے مطابق تھے اور جن کی وجہ سے ان کی شخصیت میں ایک امتیازی شان پیدا ہوئی۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ اللہ نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس جواب میں ہم تین جلیل القدر انبیاء — حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام — کی بعض خصوصی صفات تفصیل سے بیان کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی صفات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے "خلیل اللہ" یعنی اللہ کا دوست ہونے کا منفرد شرف عطا فرمایا؛ یہ لقب آپ کی سب سے بڑی خصوصی صفت ہے۔ آپ کی دوسری نمایاں صفت توحید کی تلاش و جستجو اور باطل سے مکمل بیزاری ہے: آپ نے بچپن ہی سے ستاروں، چاند اور سورج کی عبادت کو رد کر کے خالقِ کائنات کو پہچانا اور اعلان کیا کہ میں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں۔ تیسری صفت آپ کی بے مثال قربانی و اطاعت ہے: بڑھاپے میں دعا سے ملنے والے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم پر ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جانا تاریخِ انسانیت میں اطاعت کی سب سے بلند مثال ہے۔ اسی طرح آگ میں ڈالے جانے پر بھی آپ نے اللہ پر کامل توکل کیا اور فرمایا کہ اللہ میرے لیے کافی ہے۔

آپ کی چوتھی خصوصی صفت یہ ہے کہ آپ کو "امام الناس" یعنی تمام انسانوں کا امام قرار دیا گیا اور آپ کی نسل سے حضرت اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کے ذریعے بڑی بڑی امتیں اور انبیاء پیدا ہوئے؛ یہی وجہ ہے کہ یہود، نصاریٰ اور مسلمان تینوں آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ پانچویں صفت آپ کی مہمان نوازی و سخاوت ہے، جس کی وجہ سے آپ کو "ابو الضیفان" (مہمانوں کا باپ) کہا جاتا ہے۔ چھٹی صفت آپ کا حلم، نرم دلی اور دوسروں کے لیے دعا گو ہونا ہے؛ قرآن نے آپ کو "حلیم، اوّاہ، منیب" قرار دیا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر، مناسکِ حج کی بنیاد اور مقامِ ابراہیم جیسے شرف بھی خاص آپ ہی کے حصے میں آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سب سے بڑی خصوصی صفت "کلیم اللہ" ہونا ہے: اللہ تعالیٰ نے طورِ سینا پر آپ سے بلا واسطہ کلام فرمایا، اور یہ شرف کسی اور نبی کو اس انداز سے حاصل نہیں ہوا۔ آپ کو تورات جیسی عظیم کتاب اور الواح عطا ہوئیں۔ آپ کی دوسری امتیازی صفت آپ کے عظیم معجزات ہیں: عصا کا اژدہا بن جانا، یدِ بیضا کا چمکنا، سمندر کا پھٹ کر راستہ بن جانا اور فرعون کے جادوگروں کا آپ کے معجزے کے سامنے سجدے میں گر کر ایمان لانا — یہ معجزات آپ کی قوم کے مزاج کے عین مطابق تھے کیونکہ مصر میں جادو کا زور تھا۔

تیسری صفت آپ کی شجاعت و جرأت اور ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے: آپ تنہا فرعون جیسے جابر بادشاہ کے دربار میں کھڑے ہو کر توحید کی دعوت دیتے رہے۔ چوتھی صفت آپ کی غیرت و غصہ کا وہ ایمانی رنگ ہے جو اللہ کی حرمت کی خلاف ورزی پر ظاہر ہوتا تھا، جیسا کہ بچھڑے کی پرستش پر آپ کا ردِ عمل قرآن میں مذکور ہے۔ پانچویں صفت یہ کہ آپ بنی اسرائیل جیسی نافرمان و سخت مزاج قوم کے چالیس سال تک رہنما و مربی رہے اور ان کی مسلسل نافرمانیوں کے باوجود ان کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ اس کے علاوہ وادیِ تیہ کے واقعات، من و سلویٰ اور بارہ چشموں کا جاری ہونا بھی آپ ہی کے خاص معجزات و احسانات میں شامل ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سب سے منفرد صفت آپ کی معجزانہ ولادت ہے: آپ بغیر باپ کے محض اللہ کے کلمہ "کن" سے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے، اسی لیے قرآن نے آپ کو "کلمۃ اللہ" اور "روح منہ" کہا ہے۔ دوسری صفت یہ کہ آپ نے گہوارے میں شیر خوار بچے کی حیثیت سے کلام کیا اور اپنی نبوت و والدہ کی براءت کا اعلان کیا، جو نبوت کا ایسا معجزہ ہے جو کسی اور نبی کے لیے ثابت نہیں۔ تیسری صفت آپ کے ہاتھوں وہ معجزات ہیں جن کا تعلق براہ راست زندگی و صحت سے تھا: اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنا، پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا، مٹی سے پرندے کی صورت میں جان ڈال دینا اور لوگوں کے گھروں میں کھائی و رکھی ہوئی چیزوں کی خبر دینا۔

چوتھی صفت آپ کا زہد و تقویٰ اور دنیاوی مال و دولت سے بے رغبتی ہے؛ آپ نے ساری زندگی سادگی میں بسر کی۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ آپ کو اللہ نے دشمنوں کی سازش سے محفوظ رکھ کر زندہ آسمان پر اٹھالیا اور قیامت کے قریب آپ کا نزول ہو گا—یہ بھی آپ کی انفرادی خصوصیت ہے کہ آپ اس وقت زندہ ہیں اور آخری دور میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ چھٹی صفت آپ کی رحمدلی اور نرم مزاجی ہے؛ قرآن نے آپ کو ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اور سرکش و بدبخت نہ ہونے کی صفت سے متصف کیا ہے۔ انجیل جیسی آسمانی کتاب بھی آپ ہی کو عطا ہوئی اور آپ کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بشارت دینے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

نبی	لقب / خصوصیت	نمایاں معجزہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام	خلیل اللہ، امام الناس	آگ کا گلزار بن جانا
حضرت موسیٰ علیہ السلام	کلیم اللہ	عصا کا اژدہا ہونا، سمندر کا پھٹنا
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	کلمۃ اللہ، روح اللہ	مردوں کو زندہ کرنا، گہوارے میں کلام

ان صفات سے حاصل شدہ سبق

ان تینوں انبیاء کی خصوصی صفات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ اپنے برگزیدہ بندوں کو مختلف آزمائشوں اور مختلف صلاحیتوں سے نوازتا ہے، مگر ان سب کی بنیاد ایک ہی ہے: اللہ کی وحدانیت کی دعوت اور اس کی کامل اطاعت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہمیں قربانی و توکل، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق گوئی و استقامت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زہد و رحمدلی کا سبق ملتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے انبیاء کی سیرت کا یہ مطالعہ محض معلومات نہیں، بلکہ اپنی زندگی کو ان کے نقشِ قدم پر ڈھالنے کی ترغیب ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اور امامِ انسانیت ہونے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ اور فرعون کے سامنے حق گوئی کے علمبردار ہونے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزانہ ولادت، کلمۃ اللہ اور شفا بخش معجزات کی وجہ سے اپنی خصوصی صفات میں ممتاز ہیں۔ ان تمام صفات نے مل کر ہر دور کے انسانوں کے لیے ہدایت کا راستہ روشن کیا اور یہی انبیاء کرام کی بعثت کا اصل مقصد تھا۔

سوال نمبر 2: سورۃ آل عمران کی روشنی میں آخرت کی اہمیت (20 نمبر)

سوال نمبر 2: سورۃ آل عمران کی روشنی میں آخرت کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

تعارف

آخرت پر ایمان اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ عقیدۂ آخرت انسان کی زندگی کو مقصدیت، جوابدہی کا احساس اور اخلاقی پابندی عطا کرتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں متعدد مقامات پر آخرت، موت، قیامت، جزا و سزا اور جنت و جہنم کا ذکر آیا ہے، اور یہ ذکر خاص طور پر غزوۂ اُحد کے بعد کے حالات میں مسلمانوں کو تسلی دینے اور دنیا کی عارضی حیثیت واضح کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس نوٹ میں ہم اس سورت کی روشنی میں آخرت کی اہمیت کا جائزہ لیں گے۔

موت کی حقیقت اور زندگی کی آزمائش

سورت کی آیت 185 میں ارشاد ہوا: ”ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، اور تمہیں تمہارے اجر قیامت ہی کے دن پورے پورے دیے جائیں گے؛ پس جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی اصل کامیاب ہے، اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔“ اس آیت میں تین حقائق بیک وقت بیان ہوئے ہیں: موت یقینی ہے، مکمل

جزا صرف آخرت میں ملے گی، اور دنیا کی زندگی اصل مقصد نہیں بلکہ ایک آزمائش گاہ ہے۔ یہی تصور انسان کو دنیاوی نفع و نقصان سے بے نیاز کر کے آخرت کی تیاری کی طرف مائل کرتا ہے۔

اسی طرح آیت 145 میں فرمایا گیا کہ کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتی، موت کا وقت لکھا ہوا ہے؛ جو دنیا کا ثواب چاہے اسے دنیا ہی سے دیا جاتا ہے اور جو آخرت کا ثواب چاہے اسے آخرت کا ثواب ملے گا اور اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔ یہ آیت غزوۂ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جب کچھ لوگ محض دنیاوی فائدے کی وجہ سے مایوس ہوئے تھے۔ اللہ نے واضح کر دیا کہ جینا مرنا مقررہ وقت پر ہے، اس لیے میدان سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا، اور اصل انعام آخرت کا ہے۔

موت کے بعد کے مراحل کی طرف اشارہ بھی اس سورت میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس دن بعض چہرے روشن ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ؛ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے، تو اب اپنے کفر کے بدلے عذاب چکھو، اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس تقسیم سے ظاہر ہے کہ آخرت کا فیصلہ انسان کے دنیاوی عقیدے و عمل کی بنیاد پر ہو گا، اور وہاں کسی دباؤ، سفارش یا رشوت کا نہیں بلکہ خالص عدل و انصاف کا دن ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں بار بار ''اتقوا اللہ'' یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ آخرت کا خوف ہی تقویٰ پیدا کرتا ہے۔

قیامت کے دن اعمال کی پیشی اور جزا

آیت 30 میں ارشاد ہے کہ جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے نیک عمل کو حاضر پائے گا اور اپنے برے عمل کو بھی، اس دن وہ خواہش کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے برے عمل کے درمیان دور دراز کی مسافت ہوتی۔ اس آیت میں آخرت کی جوابدہی کا منظر نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے: کوئی عمل چھوٹا ہو یا بڑا، گم نہیں ہو گا۔ یہ تصور انسان کے دل میں اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے اور اسے نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے۔

جزاو سزا کی تفصیل کے سلسلے میں آیت 15 میں متقین کے لیے ان باغات کا ذکر ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہاں پاکیزہ بیویاں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضامندی ہے۔ اس کے مقابلے میں آیت 10 تا 12 میں کافروں کے مال و اولاد کے بیکار ہونے اور جہنم کے ایندھن بننے کا ذکر ہے۔ اس تقابلی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں اللہ کی رضا ہی سب سے بڑی نعمت ہے اور دنیا کی دولت و طاقت وہاں کچھ کام نہیں آئے گی۔

شہداء کی حیات اور آخرت کی امید

سورت کا ایک اہم مضمون شہداء کے بارے میں آیت 169 ہے: "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔" غزوۂ اُحد کے ستر شہداء کے پس منظر میں نازل ہونے والی اس آیت نے رنجیدہ دلوں کو غیر معمولی تسلی دی اور یہ واضح کیا کہ آخرت کی زندگی اس دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ کی راہ میں جان دینا نقصان نہیں بلکہ ابدی زندگی کا سودا ہے۔ یہی عقیدہ مسلمانوں میں قربانی کے جذبے کی بنیاد بنتا ہے۔

سورت کے آخری رکوع میں "اولوالالباب" کی دعا میں آخرت کی اہمیت انتہائی جامع انداز میں آئی ہے: "اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا کر جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔" اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ عقل انسان کی اصل فکر دنیا کی آسائش نہیں بلکہ قیامت کی رسوائی سے بچنا اور اللہ کے وعدے کا حصول ہے۔

عقیدۂ آخرت کے عملی اثرات

- جوابدہی کا احساس: انسان ہر عمل سے پہلے سوچتا ہے کہ اس کا حساب دینا ہوگا، جس سے گناہوں میں کمی اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔
- صبر و تسلی: دنیاوی تکالیف و ناانصافیوں کے مقابلے میں آخرت کی جزا کا یقین دل کو مطمئن رکھتا ہے۔
- دنیا پرستی سے بچاؤ: دنیا کو "متاع الغرور" سمجھنے والا اس کے پیچھے ایمان قربان نہیں کرتا۔
- قربانی کا جذبہ: شہداء کی اخروی زندگی کا یقین جان کی قربانی آسان کر دیتا ہے، جیسا اُحد کے شہداء نے ثابت کیا۔

سماجی سطح پر بھی یہ عقیدہ انصاف کی ضمانت ہے: جس ظالم کو دنیا میں سزا نہ مل سکے، کمزور اس یقین سے جیتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں مقدمہ ضرور سنا جائے گا۔

اسی طرح نیک آدمی کو اپنی نیکی کے دنیاوی صلے کی پروا نہیں رہتی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اصل اجر محفوظ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران آخرت کو انسان کی اصل منزل اور دنیا کو آزمائش گاہ قرار دیتی ہے۔ موت کی یقینی حیثیت، قیامت کی جوابدہی، جنت کی نعمتوں خصوصاً اللہ کی رضا کا وعدہ، جہنم کی وعید اور شہداء کی ابدی زندگی — یہ تمام باتیں اس سورت میں اس قدر تفصیل سے آئی ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری زندگی کا محور بن جاتی ہے۔ یہی عقیدہ دنیا میں بھی انسان کی اخلاقی اصلاح کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

سوال نمبر 3: اچھے مومن کی صفات سورۂ آل عمران کی روشنی میں (20 نمبر)

سوال نمبر 3: ایک اچھے مومن کی صفات پر سورہ آل عمران کی روشنی میں جامع نوٹ لکھیں۔

تعارف

قرآن مجید نے جگہ جگہ اچھے مومن کی صفات بیان کی ہیں تاکہ ہر مسلمان اپنے آپ کو ان صفات کے آئینے میں دیکھ کر اپنی اصلاح کر سکے۔ سورۃ آل عمران اس سلسلے میں خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں مومنین کی صفات عملی میدان — عبادت، اخلاق، جنگ و صلح اور سماجی زندگی — سب پہلوؤں کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ خصوصاً غزوۂ اُحد کے تناظر میں بتایا گیا کہ آزمائش میں کون سا رویہ ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔ اس نوٹ میں ہم اس سورت کی مختلف آیات کی روشنی میں اچھے مومن کی صفات کو منظم انداز میں پیش کریں گے۔

تقویٰ اور اللہ سے تعلق

اچھے مومن کی پہلی اور بنیادی صفت تقویٰ ہے۔ سورت کی آیت 102 میں حکم ہوا: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“ تقویٰ کا مطلب ہے دل میں اللہ کی ناراضگی سے بچنا اور اس کے احکام کو زندگی کا دستور بنانا۔ اسی تقویٰ کی بنیاد پر سورت نے مومن کو پہچانا ہے کہ وہ اللہ سے ایسا تعلق رکھتا ہے جس میں خوف بھی ہے اور محبت بھی۔

آیت 133 تا 134 میں متقین کی تفصیلی صفات آئی ہیں: وہ اللہ کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑتے ہیں، خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پی جاتے ہیں، لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔ یہ آیات بتاتی ہیں کہ اچھا مومن صرف عبادت گزار نہیں ہوتا، بلکہ اس کا اخلاق اور مال و معاملات بھی درست ہوتے ہیں۔ غصہ ضبط کرنا اور ظلم کرنے والے کو بھی معاف کر دینا وہ صفات ہیں جو سماج میں محبت کا ماحول پیدا کرتی ہیں۔

گناہ پر اصرار نہ کرنا اور استغفار

آیت 135 میں مومن کی ایک خوبصورت صفت بیان ہوئی کہ اگر ان سے کوئی بے حیائی کا کام ہو جائے یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں، اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا مومن معصوم ہونے کا دعویدار نہیں ہوتا؛ فرق صرف یہ ہے کہ وہ گناہ کے بعد بے حس نہیں رہتا، بلکہ ندامت و توبہ کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ صفت انسان کو مایوسی سے بچاتی ہے اور اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتی ہے۔

اسی طرح سورت کے آخر میں اولوالالباب کی صفات میں راتوں کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر اللہ کا ذکر کرنا اور کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرنا بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا مومن ذکر و فکر دونوں کو جمع کرتا ہے: اس کی عبادت میں عقل کا دخل بھی ہوتا ہے اور وہ قدرت کی نشانیوں سے اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

اتحاد، امر بالمعروف اور سماجی ذمہ داری

آیت 103 میں حکم ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت بٹو۔ اچھا مومن تفرقہ پھیلانے والا نہیں بلکہ اتحاد کا داعی ہوتا ہے؛ وہ اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھتا ہے کہ اللہ نے دشمن دلوں کو جوڑ کر انہیں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ اسی طرح آیت 104 میں امت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سونپا گیا اور آیت 110 میں اسی فریضے کی ادائیگی کو اس امت کے "خیرِ امت" ہونے کا سبب قرار دیا گیا۔ گویا اچھا مومن صرف اپنی نجات کی فکر نہیں کرتا بلکہ پورے معاشرے کی بھلائی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

سماجی صفات میں آیت 92 کی تعلیم بھی نمایاں ہے کہ تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اچھا مومن کنجوس نہیں ہوتا؛ وہ اللہ کی راہ میں پسندیدہ مال خرچ کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اسی طرح آیت 159 میں نرم مزاجی، معافی اور مشورے کی تعلیم ہے جو دراصل رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے ذریعے ہر مومن کے لیے نمونہ ہے کہ سختی اور تلخ مزاجی لوگوں کو منتشر کر دیتی ہے، جبکہ نرمی و مشورہ دل جوڑتا ہے۔

علاوہ ازیں اچھا مومن اللہ پر کامل توکل رکھتا ہے۔ اس سورت میں غزوۂ اُحد کے بعد کے حالات میں بار بار یہ درس دیا گیا کہ مسلمان کہیں "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" یعنی اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ جب دشمن کے بڑے لشکر کی دھمکی سنائی گئی تو سچے مومنین کے ایمان میں اضافہ ہوا اور انہوں نے یہی جملہ کہا۔ اسی طرح مومن منافقانہ دو رخی پالیسی سے پاک ہوتا ہے؛ اس کا اندر و باہر یکساں ہوتا ہے اور وہ سود و دنیاوی لالچ کے جال میں ایمان کو نہیں بیچتا۔ یہ اوصاف مل کر ایک مکمل شخصیت تشکیل دیتے ہیں جسے قرآن نے بار بار "متقین" کے نام سے یاد کیا ہے اور جن کے لیے مغفرت و جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

میدانِ آزمائش میں صبر واستقامت

سورت کی آیت 146 میں پچھلے انبیاء کے ساتھیوں کی صفت بیان ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں پہنچنے والی تکلیفوں پر نہ کمزوری دکھائی، نہ ہمت ہاری اور نہ دشمن کے سامنے جھکے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ غزوۂ اُحد کے بعد یہ آیات اس لیے آئیں کہ آزمائش ہی مومن کی اصل پہچان ہے۔ آخری آیت 200 میں اس پورے مضمون کی جامع تلقین کر دی گئی: اے ایمان والو! صبر کرو، مقابلے میں ثابت قدم رہو، اللہ کی راہ میں مورچہ باندھے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ماخذ آیت	مومن کی صفت	شعبہ
102، 190-191	کامل تقویٰ، ذکر و فکر، رات کی عبادت	عقیدہ و عبادت
134، 159	غصہ ضبط کرنا، معاف کرنا، نرمی و مشورہ	اخلاق
92، 134	خوشحالی و تنگی میں انفاق، محبوب چیز خرچ کرنا	مال و معاملات
103، 104، 110	اتحاد، امر بالمعروف، بھلائی کی دعوت	سماجی زندگی
135، 146، 200	صبر، استقامت، گناہ پر اصرار نہ کرنا	آزمائش

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کی روشنی میں اچھا مومن وہ ہے جو تقویٰ میں کامل ہو، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا، غصہ ضبط کرنے والا اور معاف کرنے والا ہو، گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے، امت کے اتحاد اور بھلائی کی دعوت میں سرگرم رہے، اور آزمائش کے میدان میں صبر و استقامت اختیار کرے۔ یہ صفات کسی ایک عبادت تک محدود نہیں بلکہ پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہیں، اور یہی اس سورت کا وہ پیغام ہے جو ہر دور کے مسلمان کے لیے رہنما ہے۔

سوال نمبر 4: گھروں میں داخلے کی اجازت ــــ باب الاستیذان کی روشنی میں آداب واحکام (20 نمبر)

سوال نمبر 4: گھروں میں اجازت لینے کے آداب اور احکام باب الاستیذان کی روشنی میں تحریر کریں۔

تعارف

اسلام نے انسانی گھر کو امن وراز داری کا قلعہ قرار دیا ہے۔ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا تو دور کی بات، اس کے گھر کی طرف جھانکنا تک سخت ممنوع ہے، کیونکہ گھر انسان کی نجی زندگی کا مرکز ہوتا ہے جہاں وہ پردے اور راحت کی حالت میں ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ایک مستقل باب "کتاب الاستیذان" کے نام سے قائم کیا گیا ہے جس میں گھروں میں جانے کی اجازت لینے کے آداب واحکام تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی سورۃ النور میں ان احکام کی بنیاد فراہم کی ہے۔ اس جواب میں ہم اسی باب کی روشنی میں استیذان کے آداب واحکام تحریر کریں گے۔

استیذان کا قرآنی حکم

سورۃ النور آیت 27 میں ارشاد ہوا: "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ اجازت لے لو اور گھر والوں کو سلام کر لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔" اسی سورت کی آیت 28 میں مزید حکم ہے کہ اگر گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک اجازت نہ ملے داخل نہ ہو، اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ، یہی تمہارے لیے پاکیزہ طریقہ ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ استیذان محض رسم نہیں بلکہ اللہ کا حکم ہے جس میں انسان کی عزت و پردے کی حفاظت پوشیدہ ہے۔

سورۃ النور ہی کی آیات 58 و 59 میں اپنے گھر کے اندر کے ماحول کے لیے بھی اصول دیا گیا کہ غلام و خادم اور نابالغ بچے تین اوقات — فجر سے پہلے، دوپہر کے آرام کے وقت اور عشاء کے بعد — میں تمہارے کمروں میں اجازت لے کر آئیں، کیونکہ یہ پردے کے اوقات ہیں؛ اور جب بچے بالغ ہو جائیں تو انہیں ہر وقت بڑوں کی طرح اجازت لینا ہو گی۔ یہ تعلیم بتاتی ہے کہ استیذان کا کلچر گھر کے اندر سے شروع ہوتا ہے۔

احادیث میں بیان کردہ آداب

صحیح بخاری کے کتاب الاستیذان میں متعدد آداب بیان ہوئے ہیں۔ اوّل: اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اجازت تین مرتبہ مانگی جائے؛ اگر اجازت مل جائے تو (داخل ہو) ورنہ واپس لوٹ جاؤ"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر عمل کا ثبوت مانگا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی، جس سے صحابہ کے حدیث کی حفاظت میں احتیاط کا بھی پتہ چلتا ہے۔ تین مرتبہ کی حد اس لیے رکھی گئی کہ گھر والا کسی مصروفیت میں ہو تو اسے موقع مل جائے اور آنے والے کی بے صبری بھی ختم نہ ہو۔

دوم: اجازت طلب کرنے والا اپنا نام بتائے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر آ کر "میں ہوں" کہہ کر اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، کیونکہ "میں ہوں" کہنے سے شناخت نہیں ہوتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا "میں"، اس پر آپ ﷺ نے "میں، میں" کہہ کر اس انداز کی ناپسندیدگی فرمائی۔ سبق یہ ہے کہ آنے والا واضح طور پر اپنا نام و تعارف پیش کرے۔

سوم: دروازے کے سامنے اس طرح نہ کھڑا ہو کہ اندر نظر پڑے؛ آنے والا دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑا ہو۔ رسول اللہ ﷺ خود جب کسی کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں رخ کھڑے ہوتے، کیونکہ اس زمانے میں دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے اور اجازت مانگنے کا مقصد ہی نگاہ کی حفاظت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت مانگنا نگاہ ہی کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے۔" لہٰذا جو شخص اجازت کا آداب پورا کرتے ہوئے بھی چھید سے جھانکے وہ مقصد ہی کو ختم کر دیتا ہے۔

چہارم: جھانکنے کی سخت وعید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر میں جھانکے اور تم کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے حجرے میں کنگھی جیسی چیز سے جھانک رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو میں اس سے تمہاری آنکھ میں چبھو دیتا۔ ان روایات کا مقصد ہرگز تشدد کی ترغیب نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ کسی کی نجی زندگی میں بلا اجازت جھانکنا اس قدر سنگین جرم ہے۔

دیگر متعلقہ احکام

کتاب الاستیذان میں یہ احکام بھی ملتے ہیں کہ سلام استیذان کا جزو ہے؛ سلام پہلے کیا جائے پھر اجازت طلب کی جائے، کیونکہ سلام اسلام کی پہچان اور سلامتی کی دعا ہے۔ اسی باب میں یہ بھی بیان ہے کہ اگر گھر میں صرف اہلیہ ہو تب بھی شوہر کو کھنکار کر یا کسی اشارے سے آگاہ کر کے داخل ہونا پسندیدہ عمل ہے تاکہ اچانک آمد سے کسی ناگوار صورتحال کا سامنا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے تشریف لاتے تو رات کو اچانک گھر میں داخل ہونے سے منع فرماتے، بلکہ اہل خانہ کو اطلاع ہونے کے بعد گھر آتے۔

مہمان کے لیے بھی آداب ہیں کہ وہ گھر والوں کی سہولت کا خیال رکھے، غیر مناسب وقت پر آنے سے گریز کرے، اور اجازت نہ ملنے یا واپس جانے کے کہنے پر ناراضگی ظاہر نہ کرے، کیونکہ قرآن نے واپس پلٹنے کو ہی "ازکیٰ" یعنی زیادہ پاکیزہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح میزبان کے لیے ادب یہ ہے کہ وہ واضح جواب دے، آنے والے کو تحقیر سے نہ ٹالے، اور معذور ہو تو معذرت کے ساتھ رخصت کرے۔

حکمت	دلیل / ماخذ	ادب / حکم
گھر والے کو موقع، آنے والے کی بے صبری کا خاتمہ	حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (بخاری)	تین مرتبہ اجازت طلب کرنا
شناخت کی وضاحت، سلامتی کا احساس	حدیث جابر رضی اللہ عنہ (بخاری)	نام بتا کر تعارف کرانا

نگاہ و پردے کی حفاظت	عمل رسول ﷺ (بخاری، کتاب الاستیذان)	دروازے کے پہلو میں کھڑا ہونا
نجی زندگی و رازداری کی حرمت	متعدد احادیث (بخاری)	بلا اجازت جھانکنے کی ممانعت
اخلاقی پاکیزگی و باہمی احترام	سورۃ النور: 28	واپسی کے حکم پر ناراض نہ ہونا

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ باب الاستیذان کی روشنی میں گھر میں داخلے کا پہلا اصول اجازت و سلام ہے۔ تین مرتبہ اجازت طلب کی جائے، نام بتا کر تعارف کرایا جائے، دروازے کے پہلو میں کھڑا ہو کر نگاہ کی حفاظت کی جائے، جھانکنے سے مکمل پرہیز کیا جائے اور اجازت نہ ملے تو خوش دلی سے واپس لوٹا جائے۔ یہ آداب محض رسمی شائستگی نہیں بلکہ انسانی عزت، پردے اور سماجی امن کی ضمانت ہیں، اور آج کے دور میں بھی، جب نجی زندگی کی حرمت مزید اہم ہو گئی ہے، ان کی پابندی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

سوال نمبر 5: مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا حل — احادیث کی روشنی میں تجاویز (20 نمبر)

سوال نمبر 5: مسلمانوں کے مابین باہمی تفرقہ اور اختلافات کے حل کے لیے احادیث مبارکہ کی روشنی میں تجاویز اور سفارشات تحریر کریں۔

تعارف

امتِ مسلمہ کی قوت کا راز ہمیشہ اس کے اتحاد میں رہا ہے، اور اس کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب باہمی تفرقہ و اختلاف ہے۔ قرآن مجید نے جہاں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور فرقوں میں نہ بٹنے کا حکم دیا، وہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں بھی اتحاد و اتفاق کی شدید تاکید فرمائی اور اختلاف و لڑائی جھگڑے سے بار بار منع کیا۔ موجودہ دور میں جب معمولی باتوں پر خاندان، محلے، ادارے اور قومیں بٹی ہوئی ہیں، احادیث کے ان اصولوں پر عمل اختلافات کو ختم کرنے کا مؤثر ترین نسخہ ہے۔ اس جواب میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں چند عملی تجاویز و سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی سفارش: اخوت کا رشتہ اور حسنِ ظن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم آپس میں حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، اور اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن جاؤ۔" اسی طرح فرمایا کہ مسلمان کے لیے اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق جائز نہیں۔ ان احادیث کی روشنی میں پہلی تجویز یہ ہے کہ ہر اختلاف کو ختم کرنے کی بنیاد "اخوت" کا احساس ہو: جب دل میں یہ بات جاگزیں ہو جائے کہ دوسرا فریق میرا دینی بھائی ہے تو حسد، بغض اور کدورت خود بخود کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمان کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا بھی نبوی تعلیم ہے؛ بدگمانی کو آپ ﷺ نے سب سے جھوٹی بات قرار دیا ہے، لہٰذا اختلاف کی صورت میں پہلا قدم یہ ہو کہ دوسرے کی بات کو اچھا محمل دیا جائے، نہ کہ فوراً برا مفہوم نکال لیا جائے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے مومنوں کی مثال ایک عمارت سے دی کہ مومن مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوطی دیتا ہے، اور آپ ﷺ نے انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر دکھایا۔ جس معاشرے کے افراد ایک دوسرے کی مضبوطی کا سبب بنیں، وہاں تفرقہ جڑ نہیں پکڑ سکتی۔

دوسری سفارش: صلح کرانا اور خود آگے بڑھنا

رسول اللہ ﷺ نے باہمی اختلاف ختم کرنے کے لیے "اصلاح ذات البین" یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرانے کو عظیم نیکی قرار دیا۔ فرمایا: کیا میں تمہیں روزے، نماز اور صدقے سے افضل عمل نہ بتاؤں؟ وہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے، کیونکہ آپس کی بگاڑ (ایمان و دین کو) مونڈنے والی ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں تجویز یہ ہے کہ معاشرے کے سمجھدار، بزرگ اور معزز افراد ثالثی کا فریضہ ادا کریں اور فریقین کو بیٹھ کر بات کرنے پر آمادہ کریں۔ خود فریقین کے لیے نبوی اسوہ یہ ہے کہ صلح کی طرف پہل کرنا کمزوری نہیں بلکہ بہتری ہے؛ حدیث میں ہے کہ دونوں ناراض ملاقات کرنے والوں میں بہتر وہ ہے جو سلام سے ابتداء کرے۔

خود رسول اللہ ﷺ کی سیرت اس کا عملی نمونہ ہے۔ قباء کے لوگوں کے جھگڑے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نماز کی پروا کیے بغیر پہلے صلح کرانے تشریف لے گئے۔ اسی طرح اوس و خزرج کے درمیان پرانے دشمنی کے جذبات ایک یہودی کی شرارت سے بھڑک اٹھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا جاہلیت کی پکار ہے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ چھوڑو اسے، یہ بدبودار ہے۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ اختلاف بھڑکتے ہی اسے فوراً بجھانا چاہیے، دیر ناراضی کو فتنے میں بدل دیتی ہے۔

تیسری سفارش: گفتگو کے آداب اور انصاف پسندی

احادیث میں اختلاف کو پرامن رکھنے کے لیے زبان کی حفاظت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“ اسی طرح آپ ﷺ نے لڑائی کے دوران بھی گالی گلوچ اور الزام تراشی سے منع فرمایا اور مسلمان کو قتل کرنا کفر اور اسے گالی دینا فسق قرار دیا۔ لہٰذا تجویز ہے کہ اختلافی گفتگو میں بھی الزام، تمسخر اور ذاتیات سے مکمل پرہیز کیا جائے؛ بات مسئلے پر ہو، شخصیت پر نہ ہو۔

اسی طرح نبوی تعلیم یہ ہے کہ اختلاف علمی ہو یا دنیاوی، فیصلہ انصاف اور کتاب و سنت کی طرف رجوع سے کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک انہیں تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت۔ فرقہ واریت اور گروہی اختلاف کا اصل علاج یہی ہے کہ متنازع مسائل میں جذبات کے بجائے قرآن و سنت کو حاکم بنایا جائے اور اہل علم سے رجوع کیا جائے۔ نیز آپ ﷺ نے اس جماعت (اتحاد) کو لازم پکڑنے کا حکم دیا اور علیحدگی اختیار کرنے سے خبردار کیا، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور رہتا ہے۔

چوتھی سفارش: عفو و درگزر اور حق تلفی سے بچنا

اختلافات کی ایک بڑی جڑ حقوق کی پامالی اور سختی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن مفلس وہ ہو گا جو نماز، روزہ، زکاۃ لے کر آئے مگر کسی کو گالی دی ہو، کسی کا مال کھایا ہو، کسی کا خون بہایا ہو؛ پھر اس کی نیکیاں حقداروں کو دے دی جائیں گی۔ اس حدیث کی روشنی میں سفارش یہ ہے کہ باہمی اختلاف میں کسی کا حق نہ مارا جائے، اور اگر کسی

سے زیادتی ہو جائے تو دنیا ہی میں معافی و تلافی کر لی جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے نرم رویے کی فضیلت بتائی کہ جس چیز میں نرمی ہو وہ اسے زینت بخشتی ہے۔ صلہ رحمی کا حکم، رشتے داروں کے ساتھ احسان اور مسکین و پڑوسی کے حقوق کی پابندی بھی وہ عوامل ہیں جو اختلاف کو پیدا ہی نہیں ہونے دیتے۔

ایک جامع تجویز یہ بھی ہے کہ اختلاف کو "رحمت" کی حد میں رکھا جائے: مسائلِ فروعی میں دوسروں کے فقہی موقف کا احترام کیا جائے، اپنے مسلک پر عمل کے ساتھ دوسروں کو گمراہ قرار دینے سے گریز کیا جائے، اور مشترکات — توحید، رسالت، قرآن، قبلہ — کو اتحاد کی بنیاد بنایا جائے۔ مدارس، مساجد اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ منبروں سے اتحاد کا پیغام دیں اور عصبیت پھیلانے سے بچیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسلمانوں کے باہمی تفرقے کا علاج چند سنہرے اصولوں میں پوشیدہ ہے: اخوت و حسنِ ظن کو بنیاد بنایا جائے، صلح کرانے اور سلام میں پہل کرنے کا کلچر اپنایا جائے، گفتگو میں زبان کی حفاظت و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے، اختلافی مسائل میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا جائے، عفو و درگزر اور حقوق کی ادائیگی کو معمول بنایا جائے۔ اگر امت ان نبوی سفارشات پر عمل کر لے تو خاندان سے لے کر عالمی سطح تک مسلمانوں کا اتحاد ممکن ہو جائے گا اور یہی اتحاد اس کی کھوئی ہوئی عظمت کی بحالی کا راستہ ہے۔